یوں تو جرمن نسل پرست ہٹلر اور اطالوی نسل پرست مسولینی کی حکمرانی کے زمانے سے ہی بھارت کی اکثریت پسند تنظیموں نے فسطائی نظریات سے خود کو ہم آہنگ کرنے کی کوششیں تیز کر دی تھیں اور فسطائیت کے علَم برداروں سے براہِ راست تعلق پیدا کرنے کی سعی بھی کی، جس کی تفصیل اطالوی دانش ور مارزیا کیسولاری (Marzia Casolari) کی عالمانہ تحقیق The Fascist Heritage and Foreign Connections of RSS Archival Evidence میں درج ہے۔ لیکن عالمی سطح پر فسطائیت کی شکستِ فاش اور قومی سطح پر کانگریس کی قیادت میں جاری تحریکِ آزادی نے 'ہندوتوا' [1] پر مبنی جارحانہ قوم پرستی کو ناقابلِ قبول بنا دیا تھا۔ فسطائیت کی بنیاد ہیرو پرستی (Hero Worship) پر بھی ہوتی ہے۔ اتفاق سے آزادی کے وقت بھارت کے قومی سیاسی دھارے میں اعتدال پسند لیڈروں کی مؤثر تعداد موجود تھی۔ ان لیڈروں کے مقابلے میں قومی سیاسی دھارے میں 'ہندوتوا' کے علَم برداروں کے پاس کوئی ایسا لیڈر موجود نہیں تھا جو ہیرو کے طور پر عوام میں مقبولیت حاصل کر پاتا۔ اس لیے ہندو مہا سبھا اور اس کی معاون تنظیمیں انڈین نیشنل کانگریس [تاسیس: ۲۸ دسمبر ۱۸۸۵ء] سے سیاسی انتخابات میں پے در پے شکست کھاتی رہیں۔

فسطائیت کی سب سے بڑی طاقت جارحانہ اور اکثریت پسند قوم پرستی ہوتی ہے۔ چوں کہ قوم پرستی کے لبادے میں احیا پرستی کو چھپا کر فسطائیت ایک عرصے تک لوگوں کو مغالطے میں رکھنے میں کامیاب رہتی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ تاریخ کے گہرے مطالعے کی روشنی میں ہندستان میں فسطائی تحریک اور اس کے معاون کلچر کو سمجھا جائے۔ بعض اوقات فسطائیت ابتدا میں ہی اپنی شدت پسندی کی وجہ سے بے نقاب ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر ۳۰ جنوری ۱۹۴۸ء کو گاندھی جی کے قتل نے بھارت میں 'ہندوتوا' پر مبنی جارحانہ قوم پرستی کے نظریے کو پوری طرح بے نقاب کر دیا تھا، جس کی وجہ سے 'ہندو فسطائیت' یہاں کمزور ہو گئی تھی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ اس وقت کی سیاسی قیادت نے اسے ملک کے لیے زیادہ بڑا خطرہ نہیں سمجھا اور اس خطرناک نظریے کو ملک میں

---

[1] 'ہندوتوا' یا 'ہندویت' کی اصطلاح سب سے پہلے وی ڈی ساورکر نے ۱۹۲۳ء میں استعمال کی تھی جس کے پیشِ نظر ہندومت کو عقیدے اور نسل پرستی کی بنیاد پر، انڈیا میں مسلط کرنا تھا۔ ۱۹۸۹ء میں بھارتیہ جنتا پارٹی نے اسے سرکاری نظریے کے طور پر قبول کیا۔ ادارہ

دوبارہ قدم جمانے کا موقع مل گیا۔

بھارت میں فسطائیت کے خطرے سے متعلق سیاسی مبصرین اور اہلِ نقد ونظر نے حکومت اور عوام کو مسلسل ہوشیار کرنے کی کوشش کی اور اس کے خوف ناک نتائج سے آگاہ بھی کیا۔ چیتنیا کرشنا نے اپنی مرتب کردہ کتاب Fascism in India: Faces, Fangs and Facts میں یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ بھارت کو فسطائیت کا حقیقی خطرہ لاحق ہے۔ چیتنیا کرشنا نے یہ تسلیم کیا ہے کہ بھارت میں فسطائیت اپنی آمد کا اعلان کرچکی ہے۔[1] معروف ادبی تخلیق کار اور سماجی کارکن اَرُون دھتی رائے [پ: ۲۴ نومبر ۱۹۶۱ء] نے گجرات میں فروری، مارچ ۲۰۰۲ء میں ہونے والی مسلمانوں کی نسل کشی کے بعد ملک میں فسطائیت کے جمتے ہوئے قدموں کو خطرناک قرار دیا ہے۔[2] بھارت کے مشہور سیاسی تجزیہ کار اور مفکر رجنی کوٹھاری [م:۱۹ جنوری ۲۰۱۵ء] نے گجرات نسل کشی ۲۰۰۲ء کے بعد 'ہندوتوا' کے بڑھتے ہوئے اثرات پر تشویش کا اظہار کیا ہے۔[3] اور 'ہندوتوا' کو ہندستانی تہذیب کے لیے سب سے بڑا خطرہ بتایا ہے۔ نوبل انعام یافتہ دانش ور اور ماہر معاشیات امرتیا کارسین [پ: ۳نومبر ۱۹۳۳ء] نے بھی بارہا 'ہندوتوا' پر مبنی ثقافتی قوم پرستی کو ملک کے لیے تباہ کن بتایا ہے۔[4]

۲۰۱۴ء کے پارلیمانی انتخابات میں بھارتیہ جنتا پارٹی (بی جے پی) کی زبردست کامیابی کے بعد وزارتِ عظمیٰ کی کرسی پر نریندرا مودی کا فائز ہونا دانش وروں کو خدشات میں مبتلا کرچکا ہے۔ اس کی وجہ سے دانش وروں کا ایک بڑا طبقہ ملکی سیاست اور معاشرت کو ایک خاص سمت میں جاتا ہوا محسوس کررہا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ ملک میں رُونما ہونے والے واقعات دانش وروں کے خدشات کو

---

[1] چیتنیا کرشنا (مرتب) Fascism in India: Faces, Fangs and Facts، نئی دہلی، ص ۳-۱۹

[2] اَرُون دھتی رائے، Gujrat: Fascism and Democracy، بحوالہ مذکورہ بالا، ص ۳۰-۴۴

[3] رجنی کوٹھاری، Reversal of Ideology and Rise of Fascism، (مشمولہ چیتنیا کرشنا، بحوالہ مذکورہ بالا)، ص ۴۵-۵۷

[4] امرتیاسین، The Argumentative Indian: Writings on Indian History, Culture and Identity، نیویارک، ۲۰۰۶ء۔ اس کتاب میں مصنف نے 'ہندوتوا' کی تشریح کرتے ہوئے تیسرے باب: India Large and Small میں خصوصی طور پر بحث کی ہے۔

صحیح ثابت کررہے ہیں۔ بھارتیہ جنتا پارٹی کی کامیابی کے بعد جس طرح 'ہندوتوا' پر مبنی جارح قوم پرستی ایک سماجی طاقت بن کر اُبھر رہی ہے اور زبردست جذباتی لاوا (lava) پیدا کررہی ہے، وہ آنے والے دنوں میں ایک ہولناک شکل اختیار کرسکتی ہے۔

'لوّ جہاد'، 'گھرواپسی'، 'گئورکھشا آندولن'، 'بھارت ماتا کی جے'، 'سوریہ نمسکار'، 'یوگا'، کیرانہ سے ہندوؤں کی نقل مکانی، کشمیر میں پنڈتوں اور فوجیوں کے لیے علیحدہ کالونی، آسام اور شمال مشرقی ریاستوں میں بنگلہ دیشی دَراندازی کا مسئلہ کھڑا کرنا، تاریخی حقائق کو ایک خاص انداز سے پیش کرنا، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے اقلیتی کردار کو مشکوک اور متنازع بنانا، وغیرہ تمام واقعات ایک خاص قسم کا سماجی شعور پیدا کرنے کی کوشش کی جانب اشارہ کرتے ہیں۔ لیکن ان تمام واقعات کی اہمیت کو سمجھنے کے لیے بھارت میں فسطائیت کی تاریخ اور اس کی نظریاتی اساس کو سمجھنا ہوگا۔

ہندو فسطائیت کی نظریاتی اساس

بیسویں صدی کے اوائل میں بھارت میں دو رجحانات اور نظریات پروان چڑھتے نظر آتے ہیں۔ ایک طرف متحدہ طور پر تحریکِ آزادی تھی اور دوسری جانب فرقہ وارانہ اور متعصب قوم پرستی کا آغاز ہوا ہے۔ ۱۸۵۷ء کی شورش کے بعد ہی برطانوی حکومت کی 'تقسیم اور حکومت کرو' کی پالیسی کے نتیجے میں 'ہندو فرقہ واریت' کی ابتدا ہوگئی تھی۔ مغلیہ دورِ حکومت میں رائج فارسی اور اُردو زبان کے خلاف باضابطہ تحریکیں شروع ہوگئیں۔ انگریزی حکومت کو عرضداشتیں دی جانے لگی تھیں کہ: 'ہندی کو سرکاری کام کاج کی زبان بنایا جائے'۔

ہندو نسل پرستی کو تقویت بخشنے کے لیے ۱۰/اپریل ۱۸۷۵ء کو 'آریہ سماج' کا قیام بھی عمل میں آیا، جس کے تحت 'شدھی تحریک' چلائی گئی اور بہت سارے علاقوں میں مسلمانوں اور عیسائیوں کو ہندو بنانے کی کوشش کی گئی۔ دراصل 'آریہ سماج' نے یہ نظریہ پھیلانا شروع کیا کہ: ''مسلم حکمرانوں کے زیراثر اور عیسائی مشنریوں کے بہکاوے میں آکر بہت سارے ہندو مسلمان یا عیسائی ہوگئے ہیں، اس لیے انھیں دوبارہ ہندو بنا کر 'شدھ' یا پاک کیا جانا ضروری ہے''۔ یہاں پر یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ یہی وہ حالات تھے جن کے تحت بانی علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی سرسیّد احمد خان [م:۱۸۹۸ء]

کے افکار و خیالات میں ہندستان کی مشترکہ تہذیب کے حوالے سے زبردست تبدیلی آئی اور انھوں نے اُردو، فارسی کی بقا و تحفظ کی تحریک چلائی۔ ساتھ ہی ساتھ مسلمانوں کی سیاسی نمایندگی کی بھرپور وکالت کی۔ سیاسی مبصرین اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء کو ڈھاکہ میں آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام بھی انھی مخصوص حالات اور مسلم تشخص کے بقا کی وجہ سے ہوا۔ ازاں بعد مسلم لیگ کی سیاست کو حوالہ بنا کر ہندو احیا پرستی کی تحریک نے پیش رفت میں سہولت محسوس کی۔

بھارت میں فسطائیت کی نظریاتی بنیاد رکھنے والوں میں ونایک داموور ساورکر [۱] ڈاکٹر کیشو بلی رام ہیڈگیوار [۲] مادھو سدا شیو گولوالکر [۳] کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ جیسا کہ بتایا گیا ہے ساورکر نے اپنی کتاب Hindutva: Who is Hindu? میں 'ہندوتوا' کے نظریے کو سب سے پہلے مربوط طریقے سے پیش کیا تھا۔ ساورکر نے بھارت کو ہندوؤں کا ملک بتایا اور اس بات پر زور دیا کہ: ''یہ ہندوؤں کی 'پوترا بھومی' اور 'پونیا بھومی' دونوں ہے، کیوں کہ ہندوؤں کو ہی اس ملک کی

---

[۱] ونایک داموور ساورکر [م: فروری ۱۹۶۶ء]: ایک برہمن ہندو تھا۔ 'ہندوتوا' کی اصطلاح دراصل ساورکر نے ہی سب سے پہلے استعمال کی۔ وہ ہندو مہاسبھا کا صدر تھا اور تحریکِ آزادی کے دوران جب گاندھی جی کی قیادت میں انڈین نیشنل کانگریس کے بینر تلے 'بھارت چھوڑو' تحریک چلی تو ساورکر نے اس کی مخالفت کی۔ گاندھی کے قتل کے سلسلے میں ساورکر کو بھی ملزم بنایا گیا تھا، لیکن ثبوتوں کی کمی کی وجہ سے باعزت بری ہوا۔ ساورکر نے ہی ہندو راشٹر کا نظریہ پیش کیا۔

[۲] ڈاکٹر کیشو بلی رام ہیڈگیوار [م: جون ۱۹۴۰ء] بھی ایک ہندو برہمن تھا۔ وہ آر ایس ایس کا بانی اور پہلا سرسنگھ چالک تھا۔ مالابار میں ہونے والے ہندو، مسلم فساد سے متاثر ہوکر ہیڈگیوار نے ناگ پور میں ۱۹۲۵ء میں آر ایس ایس کی بنیاد ڈالی۔

[۳] مادھو سدا شیو گولوالکر [م: جون ۱۹۷۳ء] کو 'ہندوتوا' کے اہم نظریہ سازوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ گولوالکر کے نام سے منسوب دو کتابیں: We and Our Nationalhood Defined اور Bunch of Thoughts 'ہندوتوا بریگیڈ' کی نظریاتی اساس میں ریڑھ کی ہڈی سمجھی جاتی ہیں۔ گولوالکر 'ہندوتوا بریگیڈ' کو عرفِ عام میں 'گرو جی' کہتا ہے۔ ۱۹۴۰ء میں آر ایس ایس کے بانی ہیڈگیوار کی موت کے بعد گولوالکر نے تنظیم کی کمان سنبھالی اور ۱۹۷۳ء تک آر ایس ایس کے سرسنگھ چالک کی حیثیت سے تنظیم کو مضبوط کیا۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: جوتمایا شرما: Ternifing Vision, M.S. Golwalkar, the RSS and India، پین گوئن، نیو دہلی، ۲۰۰۷ء

تہذیب وراثت میں ملی ہے۔ وہ ہندستان کی تہذیب کے وارث اور محافظ ہیں۔ ان کے ہیرو، ان کی تاریخ، ان کا ادب، آرٹ اور رسم و رواج، سب اس تہذیب کی ترجمانی کرتے ہیں''۔ [۱]

ساورکر کے نزدیک: ''مسلمانوں اور عیسائیوں کو بھی اس ملک میں مشترک 'پدریت' (fatherhood) میں حصّے داری ملی، لیکن چوں کہ ان کے مقاماتِ مقدسہ، ان کے ہیرو اور ثقافت کا تعلق یہاں سے نہیں ہے، لہٰذا انھیں اس مشترک تہذیب میں حصّے داری نہیں مل سکتی، جس پر صرف اور صرف ہندوؤں کا حق ہے''۔ اس طرح سے ساورکر نے بھارتی قوم پرستی کی بنیاد 'ہندوتوا' پر ڈالی اور باقی قوموں کو اس قوم پرستی سے اس بنیاد پر علیحدہ کیا کہ ان کے مقاماتِ مقدسہ عربیہ یا فارسی وغیرہ میں ہیں۔ مختصر یہ کہ ساورکر نے ہی دراصل ''ہندی، ہندو، ہندستان'' جو کہ آج سنگھ پریوار [۲] کا خاص نعرہ ہے اور جو سنگھ کی سیاست کی اساس ہے، کی اس ملک میں بنیاد ڈالی۔ بعد میں ہیڈگیوار اور گولوالکر نے ہندستانی قومیت سے مسلمانوں اور عیسائیوں کو دست بردار کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ: ''اُنھیں دوبارہ ہندو بنایا جائے تاکہ اس ملک میں ایک متحدہ قومیت [۳] پنپ پائے''۔

درحقیقت بھارتیہ جنتا پارٹی، آر ایس ایس وغیرہ جب یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں اور عیسائیوں کو 'مکھ دھارے' میں شامل ہونا چاہیے تو ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس ملک کی تہذیب و ثقافت سے جوڑ کر دیکھیں اور طارق، خالد، علی، حسین، محمد، فاطمہ، عائشہ، زینب وغیرہ جیسے نام رکھ کر بیرونی کرداروں سے خود کی شناخت نہ کرائیں۔ عیسائی اپنے آپ کو ڈیوڈ، جوزف، میری وغیرہ کی جگہ رام، سیتا، ہنومان، کرشنا وغیرہ سے جوڑیں، اور اس کا اظہار مسلمانوں اور عیسائیوں کے ناموں

۱- تفصیل کے لیے دیکھیے: وی ڈی ساورکر Hindutva: Who is a Hindu?

۲- 'ہندوتوا' کے علَم برداروں کی جانب سے اکثر یہ نعرہ لگایا جاتا ہے: 'ہندی، ہندو، ہندستان، مسلم بھاگو پاکستان'۔ دراصل ایک زبان، ایک ثقافت، ایک قوم، دوسرے فسطائیوں کی طرح 'ہندوتوا' کے علَم برداروں کا بھی مقصد ہے۔ ہٹلر نے یہ مقصد ۶۰ لاکھ یہودیوں کو قتل کر کے جرمنی میں صرف جرمن لوگوں کو رہنے کا حق دے کر حاصل کرنا چاہا۔ 'ہندوتوا' کے علَم بردار یہ [illegible] مسلمانوں اور عیسائیوں کو یا تو گھر 'واپسی' کے ذریعے دوبارہ ہندو بنا کر، یا پھر بڑے پیمانے پر نسل کشی کی بنیاد پر حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

۳- 'متحدہ قومیت' کا یہ فلسفہ ان لوگوں کے لیے قابلِ غور ہے، جو 'دو قومی نظریے' پر تنقید اور کانگریس کے 'متحدہ قومیت' کے فلسفے کے طرف دار ہیں۔ ادارہ

اور ان کے اداروں سے ہونا چاہیے۔ یہاں تک کہ مساجد اور چرچوں کی عمارتیں بھی ہندستانی تہذیب کی عکاسی کریں۔ لہٰذا، مینار و گنبد اور چرچوں کی تعمیر کا طریقہ ہندستان کی تہذیب کے خلاف ہے۔

مادھو سارشو گولوالکر سے منسوب کتاب Bunch of Thoughts [گل دستۂ افکار] (۱۹۶۶ء) میں 'ہندوتوا' پر مبنی بھارت میں فسطائیت کی نظریاتی اساس کی اصل جھلک ملتی ہے۔ چوں کہ گولوالکر نے ۱۹۴۰ء سے لے کر ۱۹۷۳ء تک آر ایس ایس کی قیادت کی، اس لیے گولوالکر کے افکار و خیالات آر ایس ایس کے کام کاج کے طریقوں پر آج تک حاوی ہیں۔ آج جو کچھ بھی سنگھ پریوار کرتا یا کہتا ہے، اس کی جڑیں گولوالکر کے افکار میں ہی ملتی ہیں۔ اس کتاب کے تعارف میں ایم اے وینکٹ رقم طراز ہے کہ: جس طرح مسلمانوں سے پہلے کے حملہ آوروں کو قومی معاشرت میں ضم کرنے میں ہندستانی سماج نے کامیابی حاصل کی تھی، مگر مسلمانوں کے معاملے میں وہ ناکام رہا ہے۔ یہ ایک کڑوی سچائی ہے جسے قومی آزادی کے رہنماؤں نے یکسر نظر انداز کیا۔ انھوں نے یہ سوچ کر بہت بڑی غلطی کی کہ اکثریت کی قیمت پر مسلمانوں کو مراعات دے کر انھیں جیتا جاسکتا ہے۔ رعایتیں حاصل کرنے والوں کے اندر جب تک نظریاتی تبدیلی نہیں آتی، اس وقت تک مقصد حاصل نہیں کیا جاسکتا''۔ ؂۱

گولوالکر کے مطابق: ''مسلمانوں کا انضمام ممکن بھی ہے اور ضروری بھی، لیکن اس کے لیے صحیح فلسفے، صحیح نفسیات اور صحیح حکمت عملی کی ضرورت ہے۔ لیکن ہندستانی لیڈر ایسی کوئی بھی تکنیک وضع کرنے سے قاصر ہیں۔ وہ اپنی زبردست غلطیوں پر مسلسل گامزن رہے، حتیٰ کہ مادرِ وطن کو تقسیم کرنا پڑا۔ افسوس وہ آج بھی انھی غلطیوں پر قائم ہیں اور اس طرح وہ ایک اور پاکستان کو بڑھاوا دے رہے ہیں''۔ ؂۲

قابلِ غور ہے کہ گولوالکر نے جہاں حملہ آوروں کا ذکر کیا ہے، وہاں مسلمانوں کے علاوہ شکاس (Shakas)، سِتھیانس (Sythians) اور ہنز (Huns) کا ذکر کیا ہے لیکن دانستہ طور پر آریائی حملے کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ حالاں کہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جو مختلف تحقیقات سے

۱- ایم ایس گولوالکر، Bunch of Thoughts, Sahitya Sindhu, Prakashan، ۱۹۹۶ء، ص ۱۱-۱۲

۲- ایضاً، ص ۱۲

ثابت ہوچکی ہے کہ آریائی نسل کے لوگوں کا تعلق ہندستان سے نہیں بلکہ یورپ اور وسطی ایشیا سے ہے۔ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ آریائی نسل کے لوگوں کی آمد سے قبل ہندستان میں ایک شان دار تہذیب موجود تھی، جسے 'وادیِ سندھ کی تہذیب' کہتے ہیں اور بہت سارے مؤرخین اور محققین کا تسلیم کرنا ہے کہ یہ تہذیب آریائی حملے میں تباہ ہوئی۔ اس لیے آریائی نسل کے لوگ بھی اس ملک میں اسی طرح باہر سے آئے، جیسے شکاس، ستھیانس اور ہُنز اور مسلمان آئے تھے۔ تمام غیر جانب دار دانش ور اور محقق اس بات کو نہایت ہی شدومد کے ساتھ اُٹھاتے ہیں۔ [۱]

مزید یہ کہ 'ہندوتوا' کے علَم برداروں کے نزدیک ہندستان کی تہذیب دراصل 'ویدک تہذیب' یا 'آریائی تہذیب' ہی ہے اور تمام لوگ جو ہندستان کی تہذیب میں اپنی حصّہ داری یا نمایندگی چاہتے ہیں انھیں اسی 'ویدک تہذیب' سے خود کو ہم آہنگ کرنا ہوگا۔ لہٰذا، تمام مذاہب کے ماننے والوں، مثلاً بدھ مت، جین مت، سکھ مت، مسلمان، عیسائی وغیرہ خود کو اس تہذیب، یعنی 'ہندوتوا' میں ضم کرنا ہوگا۔ اپنی علیحدہ شناخت کو ختم کر کے 'ہندوتوا' کے رنگ میں رنگنا ہوگا۔

Bunch of Thoughts میں تین اندرونی خطرات' کی نشان دہی کی گئی ہے، اور سب سے پہلا خطرہ مسلمانوں کو بتایا گیا ہے، دوسرا عیسائیوں کو اور تیسرا کمیونسٹوں کو۔ [۲] مسلمانوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ "ہمارے لیے یہ سوچنا خودکشی کے مترادف ہوگا کہ پاکستان بننے کے بعد (ہندستانی) مسلمان راتوں رات وطن پرست ہوگئے ہیں بلکہ مسلم خطرناکی، پاکستان کے قیام کے بعد سوگنا بڑھ گئی ہے، کیوں کہ پاکستان مستقبل میں ہندستان کے خلاف مسلم جارحیت کا مرکز ہوگا"۔ [۳]

اسی کتاب میں مشرقی پاکستان، یعنی بنگلہ دیش میں ہندوؤں کی نقل مکانی کا ذکر ہے اور بنگال، بہار، اترپردیش اور دہلی میں ہونے والے 'ہندومسلم فسادات' میں آر ایس ایس کے ممبران کی گرفتاریوں کا تذکرہ ہے۔ گولوالکر کا دعویٰ ہے کہ اس نے اس وقت کے ملک کے اہم لیڈر ولبھ بھائی پٹیل [م: دسمبر ۱۹۵۰ء] سے ملاقات کی اور انھیں ہندستان میں مسلمانوں سے درپیش خطرات کا ذکر کیا،

---

[۱] برج رنج مانی: Debrahmanising History: Dominance and Resistance in Indian Society، منوہر، نئی دہلی، اپریل ۲۰۰۵ء، نظرثانی شدہ ایڈیشن ۲۰۱۳ء

[۲] Bunch of Thoughts، ص ۱۷۷-۲۰۱

[۳] ایضاً، ص ۱۷۸

جس پر سردار پٹیل نے کہا کہ: ''تمھاری بات میں سچائی ہے اور آر ایس ایس کے تمام کارکنان کو چھوڑ دیا گیا''۔(ایضاً،ص۱۸۱)

اس کتاب میں 'ٹائم بم' کے نام سے ایک ضمنی عنوان ہے، جس میں مغربی اتر پردیش میں مسلمانوں کی ایک بڑی آبادی ہونے پر تشویش کا اظہار کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ دہلی سے لے کر رام پور اور لکھنؤ تک دھماکا خیز حالات پیدا ہورہے ہیں، اور اس موہوم امکانی صورتِ حال کا ۱۹۴۶ء-۱۹۴۷ء کے حالات سے موازنہ کیا گیا ہے، اور ساتھ ہی ساتھ یہ بے معنی اور خلافِ واقعہ بات بھی کہی گئی ہے کہ ''متذکرہ علاقوں میں مسلمان ہتھیار جمع کر رہے ہیں اور اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ جب پاکستان، ہندستان پر حملے کرے گا تو وہ اندرونی طور پر ملک کے خلاف بغاوت کردیں گے اور مسلح جدوجہد شروع کردیں گے''۔(ایضاً)

گولوالکر اور ساورکر اور اس کے بعد دین دیال اوپادھیائے جیسے لیڈران کو 'سنگھ پریوار' [یعنی: ہندو قوم پرست 'تنظیموں کا خاندان'] میں خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ دراصل یہ تمام لیڈر 'سنگھ پریوار' کی نظریاتی اساس بچھانے والوں میں شامل ہیں۔ آج 'سنگھ' کی سیاسی شاخ 'بھارتیہ جنتا پارٹی' (بی جے پی) کے اقتدار میں آنے کے بعد بھارت میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے اور جو کچھ ہوسکتا ہے، وہ ان لیڈروں کی تحریروں اور تقریروں سے پتا چل سکتا ہے۔[جاری]

الحمدللہ جامع مسجد ظلال القرآن پنڈ ہون جھنگی سیداں اسلام آباد

کا سنگ بنیاد 3 فروری 2018 کو رکھ دیا گیا ہے

کل کورڈ ایریا سنگل فلور 14,000 اسکوائر فٹ تخمینہ اخراجات -/2,50,00,000 روپے

درکار میٹریل...... سریا 70 ٹن، سیمنٹ 3000 بیگ، ریت 20 ڈمپر، کرش 40 ڈمپر، ماربل

ایلومینیم کھڑکیاں دروازے سامان سینٹری وضوخانہ سامان بجلی و پنکھے، قالین، وباتھ رومز ٹائل

اہل خیر سے خصوصی تعاون کی اپیل ہے

اکاؤنٹ بنام: ظلال القرآن فاؤنڈیشن UBL فوارہ چوک راولپنڈی نمبر 1-0016012312 میں جمع کروائیں

سید عارف شیرازی چیئرمین ظلال القرآن فاؤنڈیشن 0333-5223640، 0313-5192255

مکان نمبر 231-A مین ڈبل روڈ G-15/2 اسلام آباد

تازہ امریکی جارحیت اور اُمت مسلمہ

عبدالرشید صدیقی ○

امریکی سفارت خانے کی بیت المقدس منتقلی کے سلسلے میں جنوری ۲۰۱۸ء کے 'اشارات' میں پروفیسر خورشید احمد صاحب نے فکرانگیز خیالات پیش کیے ہیں۔ انھوں نے امریکی اور اسرائیلی ملی بھگت سے تیار کردہ جارحانہ پالیسی کو بے نقاب کیا ہے اور مسلم حکومتوں اور عوام کے ردعمل کا جائزہ بھی پیش کیا ہے۔ اس سلسلے میں جو مثبت اقدام کیے جاسکتے ہیں ان کی نشان دہی بھی فرمائی ہے۔ اگرچہ مسئلۂ فلسطین ہم سب کے نزدیک نہایت اہم ہے لیکن صرف یہی اس اُمت کا مسئلہ نہیں ہے، بلکہ یہ اور بہت سارے مسائل کے ساتھ اُلجھا ہوا ہے۔ جب تک اُمت کی صورت حال میں مثبت انداز میں تبدیلی نہیں آتی، کسی بھی مسئلے کا حل ممکن نظر نہیں آتا۔ اس حوالے سے چند گزارشات پیش ہیں:

دُنیا میں ہر چوتھا آدمی مسلمان ہے۔ اس وقت ۵۷ خودمختار مسلم ممالک ہیں جن کے پاس بے انتہا قدرتی اور انسانی وسائل موجود ہیں۔ دُنیا میں مسلمانوں کی آبادی ایک ارب ۸۰ کروڑ ہے۔ اگر یہ سب متحد ہوجائیں تو ایک ناقابلِ شکست قوت بن سکتے ہیں اور ان شاء اللہ اس اُمت کی تقدیر بدل سکتے ہیں۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ مسلم ممالک ایک دوسرے سے دست و گریبان ہیں۔ اس طرح اُمت قومیت اور گروہی اختلافات میں گرفتار ہے۔

صرف پچھلے چند برسوں کا جائزہ لیں کہ کس وسیع پیمانے پر فلسطین، مصر، لیبیا، شام، عراق، لبنان، یمن، افغانستان، پاکستان، الجزائر، میانمار (برما)، بنگلہ دیش، ترکی میں خوں ریزی اور بربادی ہوئی ہے۔ بھارت اور کشمیر میں مسلمان سخت کسمپرسی کے حالات سے گزر رہے ہیں۔

○ سینیر ریسرچ اسکالر، دی اسلامک فاؤنڈیشن، لسٹر، برطانیہ

ان خانہ جنگیوں میں القاعدہ، داعش اور دیگر بزعمِ خود جہادی جماعتیں بھی شامل ہیں، جو اپنے دشمنوں کے خلاف متحد ہونے کے بجاے مسلمانوں کے قتل کے درپے ہیں۔ اپنے ملکوں کو خود ہی تباہ و برباد کر رہے ہیں۔ ان کے سفاکانہ حملوں میں مساجد اور ماہِ رمضان کا بھی احترام نہیں کیا جاتا۔

پانچویں صدی ہجری جو سنہ عیسوی کی گیارھویں صدی سے مطابقت رکھتی ہے، کا منظر یہ تھا: بروز جمعہ ۲۳ شعبان ۴۹۲ ہجری (۵ جولائی ۱۰۹۹ء) کو مسیحی جنگجو (Crusaders) یروشلم پر حملہ کر کے شہر میں داخل ہوگئے۔ ۷۰ ہزار مسلمانوں کو جن میں مردوں کے علاوہ عورتیں اور بچے بھی شامل تھے تہِ تیغ کر دیا۔ انھوں نے بیت المقدس کی قیمتی اشیا کو لوٹ لیا۔

امام ابن کثیرؒ (۱۳۰۱ء-۱۳۷۵ء) نے مسلمانوں کی شکست کے اسباب بیان کیے ہیں کہ فاطمی خلیفۂ وقت داخلی ریشہ دوانیوں سے کمزور ہوگیا تھا۔ اعلیٰ سوسائٹی میں رشوت کا بازار گرم تھا اور دربار سازشوں اور سازبازوں میں گھرا ہوا تھا، اس لیے یہ ممکن نہ تھا کہ باہر کے حملہ آوروں کا مقابلہ کیا جاسکے۔

ان گمبھیر حالات میں صلاح الدین ایوبی (۱۱۳۸ء- ۱۱۹۳ء) ایک چھوٹی سی ریاست میں برسرِ اقتدار آیا۔ اس نے سیاسی صورتِ حال کا جائزہ لیا اور اپنی حکمت عملی سے ان کو حل کرنے کی کوشش کی۔ سب سے پہلے اپنی حکومت ختم کر کے اُمت کو اپنی قیادت پر مجتمع کیا۔ چنانچہ دوسری صلیبی جنگ جولائی ۱۱۸۷ء میں ہوئی تو صلاح الدین ایوبی نے عیسائیوں کو شکست فاش دی اور یروشلم دوبارہ فتح کرلیا۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے امام ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ: آیندہ کوئی بھی جنگ جُو قوم جو مسلمانوں سے نبردآزما ہوئی تو وہ شکست کھائے گی کیوں کہ اس اُمت نے سبق سیکھ لیا ہے۔

واے افسوس! کہ اس اُمت نے یروشلم پھر اپنے ہاتھوں سے گنوا دیا۔ فاطمی خلیفہ کی طرح ترک عثمانی خلیفہ بھی کمزور تھا۔ ترک خلافت میں بھی رشوت ستانی گرم اور آپس میں نااتفاقی تھی۔ مغرب نے اپنے جاسوس لارنس آف عربیہ اور گلب پاشا کے ذریعے عربوں اور ترکوں کو آپس میں لڑا دیا۔

قرآن نے اکثر تاریخی واقعات سے ہمیں سبق سکھانے کی کوشش کی ہے اور بتایا ہے کہ واقعات یونہی رُونما نہیں ہوتے۔ کوئی اندھی قوت انسانوں کے معاملات طے نہیں کرتی بلکہ قانونِ خداوندی انسانوں کے معاملات کی نگہداشت کرتا ہے: